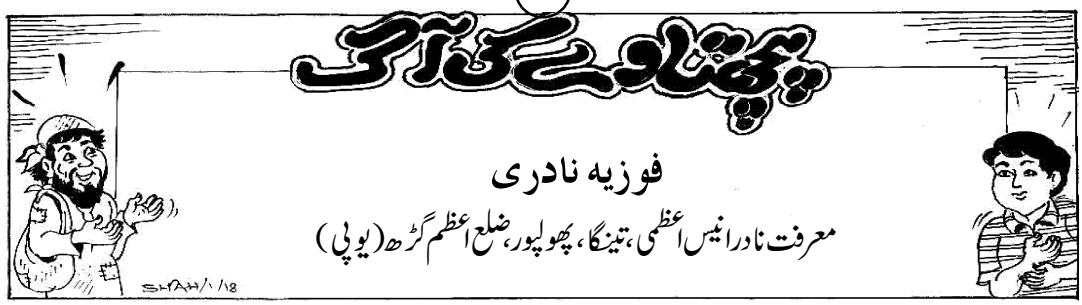

پچھتاوے کی آگ

فوزیہ نادری

معرفت نادر انیس اعظمی، تینگا، پھولپور، ضلع اعظم گڑھ (یوپی)

کسی گاؤں میں احمر نام کا ایک لڑکا رہتا تھا۔اس کی پیدائش کے پانچ سال بعد اس کے والدین اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔ والدین کی وفات کے بعد احمر اپنے دادا۔دادی کی پرورش میں پروان چڑھنے لگا۔

اس کے دادا۔دادی اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ احمر ان کے ساتھ خوشی خوشی دن گزارنے لگا۔احمر کے ابو کی وفات کے بعد اس کے دادا۔ دادی پیسے پیسے کے محتاج ہو گئے تھے پھر بھی وہ جو بھی روکھی سوکھی غذا ملتی کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتے۔احمر بچپن سے ہی بہت صابر اور معاملہ فہم تھا۔وہ کبھی بھی اپنی دادی سے بے جا فرمائش نہیں کرتا۔

ایک دن احمر کے گاؤں میں ایک مسافر بابا آئے۔ انھوں نے آواز لگائی کہ اللہ کے واسطے میری کچھ مدد کرو۔ اس وقت احمر اور کئی بچے باہر گلی میں کھیل رہے تھے۔ انھوں نے بابا کو دیکھا تو اپنے اپنے گھروں سے کچھ نہ کچھ لاکر دینے لگے۔احمر کھڑا سوچ رہا تھا کہ اگر آج میرے پاس بھی ان بچوں کی طرح پیسہ ہوتا تو میں بھی بابا کی مدد کرتا اور ان سے دعائیں لیتا۔اچانک کاشان کی نظر احمر پر پڑی تو اس نے وہیں سے چلا کر کہا: ''ارے احمر! تم وہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟ جاؤ اور جلدی سے بابا کو پیسے لاکر دو پھر ہم اپنا کھیل شروع کریں گے۔''

کاشان کی بات سن کر سب کی نظریں احمر کی جانب اُٹھ گئیں۔احمر کو بہت شرمندگی محسوس ہوئی۔اس نے بنا کسی سے نظر ملائے آہستگی سے کہا کہ میرے داد کے پاس پیسے نہیں ہیں۔سب بچے یہ بات سن کر ہنس پڑے اور احمر کا مذاق اُڑانے لگے۔مسافر بابا خاموش کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے انھوں نے احمر کی باتوں میں جھلکتی سچائی اور شرمندگی محسوس کر لی تھی۔ وہ بولے: ''آپ لوگ احمر کا مذاق کیوں اُڑا رہے ہیں؟ وہ آپ کا دوست ہے نا اور پھر احمر نے تو مجھے آپ سب سے پہلے ہی صدقہ دے دیا ہے۔'' احمر ہک دک ہو کر بابا کو دیکھنے لگا اس لیے کہ اس نے تو بابا کو کچھ دیا ہی نہیں تھا۔احمر کو اپنی طرف حیرت سے دیکھتا پا کر بابا مسکرائے اور بولے: ہاں بیٹا! آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے تھے نا اور مسکراہٹ کسی صدقے سے کم نہیں ہوتی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے۔

میری تو اس ربّ جلیل سے یہی دعا ہے کہ وہ آپ کو اتنی دولت دے کہ آپ اپنی مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ پیسہ بھی صدقہ میں دے سکیں اور آپ کو کسی کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

سبھی بچوں نے بابا کی بات کو سمجھا اور احمر سے اپنی غلطی کی معافی مانگی۔دن مہینے اور سال میں تبدیل ہوتا رہا اور احمر ان گزرتے سالوں میں اپنی محنت اور ایمانداری سے لاکھوں کی ملکیت کا والی بن بیٹھا۔اس کا کاروبار اس

کی محنت ولگن اور صلح جوفطرت کی وجہ سے دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا رہا۔

اسی اثنا میں ایک دن احمر دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کر رہا تھا۔ اچانک اس کی گہری نیند میں کسی کی آواز نے خلل ڈالا۔ اس نے آواز کو ان سنی کر کے دوبارہ سونے کی کوشش کی، لیکن اس کی یہ کوشش کارگر نہ ثابت ہوئی۔ آواز اس کے کانوں میں بار بار آتی رہی اس لیے وہ غصّہ سے اُٹھ کر تکیے کو لات مارتے ہوئے غیظ وغضب سے سرخ ہوتا ہوا گیٹ تک آیا اور دیکھا کہ ایک بہت نحیف سا بوڑھا کھڑا ہے اور آواز لگا رہا ہے کہ خدا کے واسطے میری مدد کرو۔

احمر غصّے اور غنودگی کی حالت میں تھا ہی اور کچھ وہ کامیابی اور اپنی ترقی کی وجہ سے گھمنڈی بھی ہو گیا تھا۔ اس نے کہا:

''اے بڈھے! چلانے کا زیادہ شوق ہے تو جا کر کہیں اور چلاّ ؤ۔ ہمارے نیند میں خلل ڈالنے یہاں کیوں ٹپک پڑے؟'' وہ مسافر کمال تحمل سے بولا: بیٹا! ہم بہت غریب ہیں اللہ کے واسطے ہماری امداد کرو۔ احمر چیخ کر بولا: کیوں؟ ہم جو اتنی محنت کر کے مشقتوں کو برداشت کر کے کماتے ہیں وہ آپ جیسوں کی امداد کر کے ختم کر دیں؟ احمر کو یہ بات کہتے ہوئے ذرا بھی احساس نہیں ہوا کہ یہ وہی بابا ہیں جنھوں نے بچپن میں اس کی مفلسی کو سمجھا تھا اور اس کی ایک مسکراہٹ کو صدقہ مان کر اسے اپنی انمول دعاؤں سے نوازا تھا۔

احمر تو انھیں نہیں پہچان پایا، لیکن بابا احمر کو پہچان گئے تھے۔ انھوں نے کہا: بیٹا! اگر تم آج بھی مجھے دیکھ کر مسکرا دیتے تو کیا تمہاری دولت ختم ہو جاتی۔ احمر نے ناسمجھی سے انھیں دیکھا بابا پھر بولے کیا اب بھی تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں اور کیا تم اب مسکراہٹ بھی کسی کو نہیں دے سکتے؟ بابا کی بات سن کر احمر کے ذہن میں ماضی کی وہ یادیں ایک عکس کے ساتھ ظاہر ہوئیں اور اسے اپنی آنکھوں کے سامنے وہ مناظر دکھنے لگے جب اس نے بابا کو کچھ نہ دے کر بھی راضی کر لیا تھا اور ان کی دی گئی دعاؤں کے فیض سے دنیا میں ترقی کی راہیں عبور کرتا رہا۔

اس نے بابا کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے، لیکن بابا اس کے ہاتھ کو نظر انداز کر کے چپ چاپ دکھی دل سے وہاں سے روانہ ہو گئے۔

اس کے بعد احمر زندگی بھر پچھتاتا رہا کہ کاش! وہ اس وقت غصّے میں نہ رہا ہوتا اور اس پر غنودگی کی کیفیت نہ طاری رہی ہوتی تو شاید وہ بابا کو پہچان لیتا اور ایک بار پھر دعاؤں کی برکت سے ایک نور بن کر دنیا میں جگمگاتا رہتا۔ وہ سخت افسوس میں ڈوبا یہ سوچ رہا تھا کہ کاش آج میں بابا کے سامنے صرف مسکرا ہی دیا ہوتا۔

لیکن اب اس کا پچھتاوا بے سود تھا کیونکہ بابا تو وہاں سے چلے گئے تھے اسے زندگی بھر پچھتاوے کی آگ کی تپش دے کر اور وہ زندگی بھر پچھتاتا رہا۔ سب کچھ رہ کر بھی اسے عجیب سی بے سکونی محسوس ہوتی اور وہ بابا کے ساتھ اپنے ناروا سلوک کو یاد کر کے پچھتاتا رہتا۔

بچو! اسی لیے کہتے ہیں کہ دھن دولت آتی جاتی شے ہے اس لیے اسے پا کر ہم لوگوں کو اپنے حالات نہیں بھولنا چاہیے اور کسی ضرورت مند یا مظلوم کی مدد کرنے سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔

OO